رئیس احمد جعفری

معتزلہ اور علوم فلسفہ

معتزلہ نے فلسفے سے خادم کا کام لیا

دشمنوں کے اسلحہ سے مقابلہ

معتزلہ نے عقائد اسلامیہ کے دفاع اور اسلام کی تبلیغ و تبشیر کی مہم شروع کی، اور جب انھوں نے مخالفین اسلام سے تعرض کرتے ہوئے ان سے مجادلے اور مناظرے کا سلسلہ شروع کیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ حریف خاص قسم کے اسلحہ سے آراستہ ہے اور جدل و مناظرے پر غیر معمولی عبور رکھتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مخالفین حضارت قدیمہ اور ثقافت عالیہ کے حامل ہیں۔ علوم عقلیہ اور فلسفے میں انھیں ید طولیٰ حاصل ہے۔ اور متقدمین فلاسفہ کی کتابوں، تحریروں اور افکار و نظریات پر وسیع نظر رکھتے ہیں۔ اس باب میں شام اور مصر اور فارس و عراق کے لوگ یکساں خصوصیات کے حامل تھے۔ شامی اور مصری حکومت بازنطین کے تابع تھے۔ بازنطینی حکومت ان دو حکومتوں میں سے ایک تھی جو ظہور اسلام سے قبل دنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور جن کا سکہ چل رہا تھا۔ بازنطینی حکومت مشرق میں دولت روم کی واحد وارث تھی۔ یہ جس حضارت کی حامل تھی وہ یونان اور روم کی حضارت

کا مرکب تھی۔ یہاں کے باشندوں نے ان دونوں حضارتوں سے تاثر بھی قبول کیا تھا، اور ان کی بہت سی چیزیں اپنا بھی لی تھیں۔ انھوں نے ایسے متعدد مدارس قائم کیے تھے جہاں فلسفہ اور علوم معقول کی تعلیم و تدریس کا مکمل انتظام تھا۔ یہ لوگ مسائل لاہوتیہ پر بھی غور و خوض کرتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں یونانی علوم و فنون کی کتابوں کا ترجمہ بھی جاری رکھتے تھے۔ ان کا ایک بہت بڑا مدرسہ اسکندریہ میں تھا۔ اس دارالعلم میں اسلام سے بہت پہلے اگرچہ علوم فلکیہ، طبیعیہ اور کیمیا دیہ وغیرہ کی تعلیم و تدریس ہوتی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ایک بہت بڑا مرکز لاہوتی تحریک کا بھی تھا، جو حد درجہ وسعت حاصل کر چکی تھی۔ اس کے کارفرماؤں میں یہودی فلسفی فیلون[1] بھی تھا، اور اس شخص نے یہودی مذہب کو فلسفے میں آمیز کر دیا تھا۔

علوم عقلی و لاہوتی کی تدریس و تعلیم

اسی زمانے میں سوریہ (شام) میں بھی علوم عقلی و لاہوتی کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری تھا۔

خاص طور پر انطاکیہ کا مدرسہ تو لاہوتی تعلیم و تدریس کا شاید سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ اسی مدرسے کے رجحانات کا نتیجہ تھا کہ مسیحیت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور نسطوریہ و یعقوبیہ اور دوسرے فرقے عیسائیوں میں پیدا ہو گئے۔

سوریہ کے شمال مشرق میں حدود عراق کے ساتھ ساتھ چار دوسرے مدرسے وسیع اور عظیم پیمانے پر قائم تھے۔ ان میں سے دو نسطوری فرقے کے تھے اور دو یعقوبی فرقے کے۔ نسطوریوں کے مدرسے نصیبین[2] اور رہا[3] میں تھے اور یعقوبیوں کے راس العین[4] اور

۱۔ ۲۰ ق م۔ ۴۰ ق م

۲۔ نصیبین۔ عراق کے شمال مغرب کا ایک شہر جو بازنطینی حکومت کے ماتحت تھا۔ ۳۶۳ء میں (باقی اگلے صفحہ پر)

قنسرین[1] میں۔ ان مدارس میں تمام تر امور لاہوتیہ اور فلسفہ کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

نسطوری علماء کے مدرسے

لیکن پھر حکومت فارس نے خود دو مدرسے قائم کیے۔

ایک نصیبین میں بھی مدرسہ تھا جسے نسطوری عیسائی خود چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن جب بازنطینی حکومت نے بھی انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا تو یہ علماء نسطوری اراضی بازنطینی سے جسے پناہ گاہ سمجھ کر گئے تھے پھر واپس نصیبین آ گئے اور اپنا مدرسہ از سر نو جاری کر دیا جو رہا میں مقفل کر دیا گیا تھا۔

نسطوری علماء نے جب پھر سے یہ مدرسہ کھولا تو اہل فارس نے انھیں خوش آمدید کہا، اور انھیں ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائیں کہ فلسفہ و لاہوت کی بحث و تدریس کا کام حسب سابق جاری رکھیں۔

دوسرا مدرسہ جندیسابور میں قائم کیا جو ولایات فارس میں سے خوزستان کا دارالحکومت

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

جب اہل فارس کا یہاں قبضہ ہو گیا تو علماء نصاریٰ نے یہ مدرسہ بند کر دیا اور اراضی بازنطینی میں اس امید کے ساتھ منتقل ہو گئے کہ وہاں آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں گے۔

۲۔ الرہا۔ مابین حدود عراق و سوریہ ایک شہر کا نام ہے۔ نصیبین سے رخصت ہو کر نسطوری علماء نے اپنا مدرسہ یہاں قائم کیا (۳۶۳ء) پھر نسطوریوں کی فرقہ وارانہ چپقلش کے باعث بازنطینی حکومت نے ۴۸۹ء میں اس کو پھر تالا لگا دیا۔

۳۔ راس العین۔ ارض جزیرہ کا ایک شہر جو رہا سے ۱۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۔ قنسرین۔ فرات غربی کے کنارے پر یہ شہر واقع تھا۔

تھا۔ نوشیرواں نے چھٹی صدی عیسوی میں اسے فتح[۱] کیا تھا اور علماء نساطرہ کو بلا کر یہ ذمے داری سونپی تھی کہ اپنی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ یونانی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کریں۔ یونانی حضارت سے اہل فارس کا تاثر اسی صورت احوال کا نتیجہ تھا۔

جندلیسا بور ہندوستان سے بھی قریب تھا۔ چنانچہ ہندی حضارت کے اثرات بھی یہاں پہنچنے لگے۔ اس طرح یہ مدرسہ حضارات سہ گانہ کا گزرگاہ اور مرکز بن گیا۔ ایک یونانی حضارت، دوسری خود فارسی حضارت اور تیسری ہندی حضارت۔ یہ ایک ایسا مرکز تھا جہاں دو بڑے مذاہب مسیحیت اور مجوسیت میں ٹکر ہوئی۔

مدرسہ جندلیسا پور ایک عرصۂ دراز تک قائم رہا۔

۱۴۸ھ میں یہاں کا ایک شخص خلیفہ منصور کے معالجے کے لیے بغداد طلب کیا گیا۔ اور منصور کے بعد عباسی خلفاء یہاں کے اطباء کو برابر بلا کر قدر افزائی کرتے رہے۔[۲]

دینی عقائد فلسفی اصول پر

یہی وجہ تھی کہ ان کے لیے یہ بات بہ آسانی ممکن ہو سکی کہ اپنے دینی عقائد کو فلسفی اصول پر مرتب کریں، اور منطقی و دقیق کلام سے کام لیں۔ نیز مجادلے اور مناظرے میں مہارت حاصل کر لیں۔

ان حالات میں معتزلہ نے محسوس کیا، اور بجا طور پر محسوس کیا کہ حریف کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک اسی کے اسلحہ کام میں نہ لائے جائیں، اور اس کی بولی میں بات نہ کی جائے، اور اسی کے داؤں پیچ اس کے خلاف استعمال نہ کیے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے طے کر لیا کہ حریف پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ فلسفہ کی تحصیل کی جائے اور اس سے مدد لے کر حریف کے دلائل کو توڑا جائے، اور اپنی بات بالا رکھی جائے۔ کیونکہ ادلۂ نقلیہ

۱۔ ۶۵۴ء

۲۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء للقفطی، ص ۷۱، ۷۲

ایک مسلمان کے لیے تو بے شک کفایت کر سکتے ہیں، لیکن ایک غیر مسلم کے لیے، اور وہ بھی مخالف غیر مسلم کے لیے کفایت نہیں کر سکتے۔ اسے تو صرف براہین عقلی، اور دلائل غیر نقلی ہی سے ہرایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ معتزلہ نے درس فلسفہ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی تاکہ دشمن کا مقابلہ اسی کے ہتھیاروں سے کر سکیں۔ اسی بولی میں بات کریں جو اس کی ہے۔ وہ اسالیب اختیار کریں جس سے وہ مالوف و مانوس ہے۔

اور شاید اس ضرورت کا احساس تھا جس نے خلیفہ منصور کو اس امر پر آمادہ کیا کہ غیر زبانوں کی کتب کا ترجمہ عربی میں کرائے۔

منصور عمرو بن عبید کا دوست تھا۔ اور یہ عمرو بن عبید رئیس معتزلہ تھا۔ اور اپنے وقت کا عظیم الاحترام شخص تھا۔

اور شاید یونانی کتابوں کا عربی ترجمے پر اکسانے والا یہی جذبہ تھا جس نے خلیفہ مامون کو آمادۂ عمل کیا۔ چنانچہ مقریزی کا بیان ہے:

"مامون کے حکم سے چند سال کے اندر فلسفے کی بہت سی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ معتزلہ نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انھیں پڑھا، اور پرکھا"[۱] اور اس طرح اپنے آپ کو ان کے اسلحہ سے مسلح کر لیا۔

نظّام اور فلسفۂ یونان

ان کتابوں سے سب سے پہلے جس شخص نے استفادہ کیا وہ نظّام ہے۔

شہرستانی کا بیان ہے کہ نظّام نے فلسفے کی بہت سی کتابوں کو پڑھا اور کھنگالا[۲]

۱۔ الخطط، ج ۴، ص ۱۸۳

۲۔ الملل والنحل، ج ۱، ص ۶۰، ۶۱ ۔ شرح العیون، ص ۱۲۰

بعد میں دوسرے لوگ بھی اس نقش پر چل پڑے۔

گویا اسلام میں معتزلہ سب سے پہلے متکلّم ہیں اور تاریخ میں اسی حیثیت سے معروف ومشہور چلے آرہے ہیں، اوران کے اعمال بعیدہ میں بھی ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے انہیں بقائے دوام کا خلعت عطا کر دیا ہے!

مستشرق نیبرج کا بیان

مستشرق نیبرج کا بیان ہے کہ معتزلہ متکلّمین نے پورے انہماک اور سرگرمی کے ساتھ وہ کام ہاتھ میں لیا جس کی ان کے زمانے میں اسلام کو سخت و شدید ضرورت تھی۔ اس زمانے کا چلن اور رواج ہی یہ تھا کہ وہ مذاہب جو چھائے ہوئے تھے اپنے دین کے فضائل ومحاسن، اور شوکت وقوت کا مظاہرہ اس اسلوب متعین اور طریق فلسفی سے کیا کرتے تھے۔ لہذا معتزلہ کے لیے ضروری اور لبا ضروری تھا کہ ان ابحاث و دقائق میں پورا پورا حصہ لیں تاکہ اسلام تحدّی کے ساتھ ادیان غیر کا مقابلہ کر سکے"۔[1]

پس بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ معتزلہ نے اپنے اس عمل سے نہ صرف دین اسلام کا دفاع کیا بلکہ اسے دوسری امتوں اور قوموں سے ذہنی اور فکری طور پر بہت زیادہ قریب کر دیا۔ انھیں اس سے دلچسپی پیدا ہوئی، اور انھوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور یوں اسلام کے نہوض وانتشار میں انھوں نے غیر معمولی حصّہ لیا۔

فلسفہ بجائے خود مقصود نہ تھا لیکن.....؟

معتزلہ نے حصول فلسفہ کی طرف توجّہ اس لیے مبذول نہیں کی تھی کہ انھیں فلسفے سے بجائے خود کوئی دلچسپی تھی۔ انھوں نے دین اسلام کے اعداء وخصوم کا رد کرنے کے لیے بطور خادم کے فلسفے سے کام لیا تھا۔

۱۔ مقدمۃ الانتصار ص ۸

اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں سے تاریخ کا ایک نیا دَور شروع ہو گیا۔ یہ دور خود معتزلہ سے متعلق تھا۔ فلسفے نے ان کی زندگی کو ایک عظیم و خطیر انقلاب سے دوچار کر دیا، اور ان کی تفکیر میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ جب انھوں نے باقاعدہ فلسفے کا مطالعہ کیا، اور اس پر عبور حاصل کیا، تو رفتہ رفتہ فلسفے سے بہ حیثیت فلسفہ دلچسپی لینے لگے۔ اور اس سے ان کی وابستگی بڑھتی گئی۔ اس صورتِ احوال کے نتائج دو صورتوں میں برآمد ہوئے۔

۱۔ معتزلہ فلسفۂ یونان کی عظمت کے ثناخواں ہوتے گئے۔ جس نظر سے ہم انھیں دیکھتے ہیں اس کے مقابلے میں وہ جس نگاہ سے فلاسفۂ یونان کو دیکھتے تھے، اس میں بزرگی اور عظمت و تقدس کی کارفرمائی اب شامل ہو گئی تھی۔ ہوتے ہوتے وہ ان فلاسفہ کے اقوال پر گویا ایمان لے آئے، اور ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرنے لگے۔ جیسا کہ اولیری کا بھی قول ہے[1] کہ وہ فلاسفہ سے یکسر ہم آہنگ ہوتے چلے گئے۔ اب معتزلہ نے ایک دوسرا کام شروع کر دیا۔ یعنی دین اسلام اور فلسفۂ یونان کے مابین توفیق و تطبیق۔ مثال میں ہم ابن رشد، فارابی اور الکندی وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں۔

۲۔ رفتہ رفتہ بہت آہستہ اور غیر محسوس طور پر معتزلہ اپنے اہداف دینی سے دور تر ہوتے چلے گئے، اور تدریجاً عقائد لاہوتیہ سے دست کش ہوتے گئے، اور مسائل فلسفیہ کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا جب یہ صرف فلسفی ہو کر رہ گئے اور ان کی بحث و گفتگو کا مرکز خالص فلسفی مباحث مثلاً حرکت و سکون، جوہر و عرض، موجود و معدوم، اور جزء لایتجزیٰ[2] ہی۔

۱- De Lacy O. Leary, Archic thougt & its Place in History P. 125

۲- جزء لایتجزیٰ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو قطع کرتے جائیے آخر میں کٹتے کٹتے ایک ایسا جز باقی رہ جائے گا جسے قطع کرنا ممکن نہ ہوگا۔ یہی جزء لایتجزیٰ ہے لیکن ایٹم کے دور میں یہ سوال بھی ختم ہو گیا۔ (رئیس احمد جعفری)

مذہب اور فلسفے میں ہم آہنگی، یہ تھا معتزلہ کا اشتغال، لیکن ان کا شغف فلسفیانہ مباحث میں بھی زیادہ سے زیادہ بڑھتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفے سے ان کا تاثر اتنا بڑھ گیا کہ ان کے اکثر اقوال اس رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ مستشرق شتینیز کا قول ہے کہ اعتزال اپنے تصورات اخیرہ میں یکسر فلسفۂ یونانیہ سے متاثر ہو کر رہ گیا تھا۔

اولیری کا خیال ہے کہ اسلامی تعلیمات میں یونانی فلسفہ کے اثرات کارفرما نظر آتے ہیں!

اس اعتبار سے معتزلہ کو اوّل فلاسفۂ اسلام بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور متاخرین فلاسفۂ اسلام پر ان کی فضیلت ظاہر ہے اس لیے کہ وہ معتزلہ ہی ہیں جنھوں نے باب فلسفہ پہ دستک دی اور اسفار فلسفہ کے ترجمے پر توجہ کی، اور متاخرین کو اس سے روشناس کرایا اور ان کے لیے ایک راستہ تیار کر دیا۔